وقفِ جدید کے قیام کی غرض بنی نوع انسان کی خدمت میں وسعت ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍جنوری ۱۹۷۲ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:-

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۳﴾

(ابراھیم: ۱۳)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

اِس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں پہلی بات یہ کہ عقلاً صرف ایسی ہستی پر توکّل کیا جا سکتا ہے (کہ اس کے بغیر کوئی سہارا نہیں اور اس کی مدد سے کامیابی اور فلاح حاصل ہوگی اور عمل کے نتائج اچھے نکلیں گے) جو ہمیں عمل کی راہیں بھی بتائے یعنی وہ شروع سے ہماری انگلی پکڑے۔ فرمایا وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا اللہ تعالیٰ جس نے ہماری انگلی پکڑی اور ہمیں ہدایت کی راہ یعنی صراط مستقیم پر چلایا اُس پر ہم کیسے توکّل نہ کریں۔

دوسری بات اِس آیت میں یہ بتائی کہ مخالف اور دشمن کی ایذا رسانی پر صبر اُسی صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ جب انسان نے کسی قادر ہستی کی انگلی پکڑی ہوئی ہو۔ اگر کوئی ایسا قابلِ اعتماد

بھروسہ ہی نہ ہو تو انسان بے صبرا ہو جائے گا کیونکہ انتہائی دُکھوں میں ڈالے جانے کے بعد انتہائی توکّل وہی انسان کر سکتا ہے۔ (اور پھر توکّل ہی کے نتیجہ میں صبر پیدا ہوتا ہے) جسے یہ معلوم ہو اور جس کا یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جس نے شروع ہی سے ہماری راہنمائی اور کامیابی کے سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ ہماری استطاعت کے مطابق اور ہمارے ماحول کے لحاظ سے اور جو وقت کا تقاضا تھا اُسے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہدایت کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر ہم اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلیں گے، اُس کی ہدایتوں پر عمل کریں گے، تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم ناکام ہوں۔

غرض جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنی کمزوری اور اپنے گناہ اور اپنی بے مائیگی کا احساس انتہاء تک پہنچتے ہوئے بھی ایک انتہائی قادر مطلق خدا پر اُس کا ایمان ہوتا ہے۔ اس کی صفات کی معرفت اُسے حاصل ہوتی ہے پھر جب وہ خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا ہے تو غیر کی قائم کردہ روکیں اُسے ڈراتی نہیں۔ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا میں مومنوں کی یہی صفت بتائی گئی ہے۔

اِس آیت میں تیسری بات وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ہے۔ اِس میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ عقلاً نہ فطرتاً، نہ شرعاً اور نہ مشاہدہ کے لحاظ سے کسی اور پر توکّل ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ایک یہی صداقت ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ توکّل اُسی پر کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہی حقیقی سہارا ہے۔

پس وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ کی رو سے جس آدمی نے توکّل کرنا ہو خواہ وہ ایک فرد ہو یا قوم، جس کو بھی یہ احساس ہو کہ مَیں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مجھے کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ تو اس کی عقل بھی اُسے یہی مشورہ دے گی، اُس کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہو گا اور بنی نوع انسان کی تاریخ کا بھی یہی نتیجہ نکلے گا کہ ایک ہی ہستی ہے جس پر توکّل کیا جا سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم زندہ خدا کی زندہ تجلیات کو دیکھنے والے اور اس یقین پر قائم ہیں کہ ہمیں بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ جس طرح بحیثیت فرد اُس نے ہمیں

پیدا کیا ہے۔ اُسی طرح بحیثیت جماعت اُس نے ہمیں قائم کیا ہے اور جن اغراض کے لئے اُس نے ہمیں قائم کیا ہے اور جن راہوں پر وہ ہمیں چلانا چاہتا تھا وہ قَدْهَدٰىنَا سُبُلَنَا کی رو سے واضح ہیں۔ اُس نے ہمیں اپنے راستے دِکھائے ہیں۔

انسانی فطرت کے نئے تقاضے ہوتے ہیں۔ البتہ فطرت کے نئے تقاضے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسانی فطرت ہی بدل گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں جو کچھ رکھا گیا تھا، اس کا استعمال بدل گیا کیونکہ انسان کی فطرت میں تھا دوسرے آدمی سے ہمدردی کرنا اور اس کے دُکھوں کا مداوا کرنا۔ اگر دُنیا کے دُکھ بدل جائیں تو گویا فطرت کے تقاضے بھی بدل گئے۔ پھر ایک نئے طریقے پر، نئے دُکھوں کا نیا علاج سوچنا پڑے گا۔

پھر وقت کا تقاضا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں ہماری قربانیاں اور ہمارے خدمت کے طریق بدل جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اور اپنی محبوب جماعتوں کو نئی راہیں بتاتا ہے اور انہیں نئے طریقے سکھاتا ہے۔ نئے نئے طریقوں سے انہیں ترقی پر ترقی دیتا چلا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ایک طریقہ یا ایک سبیل یا ایک راہ یا ایک صراط مستقیم ''وقف جدید'' کی شکل میں ہمارے سامنے رکھی ہے اور وقف جدید کی روح یہ ہے کہ وقف کی روح کے ساتھ بنی نوع انسان کی خدمت میں وسعت پیدا کی جائے چنانچہ حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہی منشاء تھا کیونکہ اس سے پہلے جماعتی نظام تو موجود تھا۔ تحریک جدید بھی قائم تھی اور وہ اپنے کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ جماعت کی ہر ایک تنظیم کا اپنا انتظام تھا اور وہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی لیکن میں نے جہاں تک غور کیا اور میں سمجھتا ہوں یہ میرا اپنا تجزیہ اور استدلال ہے کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک طرف تو یہ بات تھی کہ تحریک جدید کا اپنا ایک طریق متعین ہو گیا ہے اور تحریک جدید کے کام کا تقاضا یہ ہے کہ بہت بڑے عالم ہوں (خدا کرے کہ ہمیں ایسے عالم ملیں اور ہمیشہ ملتے رہیں) کیونکہ انہیں باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ جہاں انہیں بڑے بڑے پادریوں سے جو اپنے آپ کو دُنیا کا معلم سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ معلم ہوں یا نہ ہوں بہرحال وہ اپنے آپ کو دُنیا کا معلم سمجھتے ہیں ان کے ساتھ باتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اس غرض کے لئے جامعہ احمدیہ قائم ہے۔ جامعہ احمدیہ کو بھی اپنی ترقی کے لئے سوچنا

چاہئے اور بہتری کے لئے سامان کرنا چاہئے۔ جامعہ احمدیہ سے شاہد کرنے کے بعد پھر ہم ان کو ریفریشر کورسز کرواتے ہیں۔ پھر بعض کو زبانیں سکھاتے ہیں۔ اس کے اوپر بڑا خرچ آتا ہے۔ ہمیں اس وقت جتنی ضرورت ہے اس کے مطابق ہمارے پاس وسائل نہیں۔ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں حالانکہ کام بڑھ گیا ہے۔

مبلغین کے علاوہ ہمارے پاس پاکستان میں جو شاہد اور معلّم ہیں جو پرانے اصلاح کرنے والے ہیں وہ بھی اسی طرح بڑے پایہ کے ہونے چاہئیں۔ یہ سارے اس پایہ کے نہیں جس پایہ کے ان کو ہونا چاہئے۔ اس لئے انہیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اعلیٰ پایہ کے مربیان و معلمین بن جائیں اور وہ بن سکتے ہیں اگرچہ جامعہ احمدیہ کی پڑھائی کے نتیجہ میں تو نہیں بنتے لیکن وہ اپنی دُعاؤں کے نتیجہ میں پایہ کے مبلغ ضرور بن سکتے ہیں کیونکہ دعاؤں کے نتیجہ میں اگر چیز حسبِ منشاء بن سکتی ہے تو اس لحاظ سے ہر شخص پایہ کا مبلغ بھی بن سکتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے پیار کا تعلق پیدا کرے گا اور دعائیں کرے گا تو خدا تعالیٰ خود اسے سکھائے گا اور اس کا معلم بنے گا۔

پس جہاں انتظامیہ کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ وہاں ہر شاہد کو بھی اپنی ذات کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہئے ورنہ اگر دوسرے عربیک ٹیچرز کی طرح زندگی گذارنی ہے (میں شاہدین سے کہہ رہا ہوں) تو پھر آپ نے کیا زندگی گذاری؟ اگر آپ نے سکولوں کے عام عربی معلم اور مدرس کی طرح زندگی گزاری تو پھر آپ نے یہ تو بڑا ظلم کیا۔ اس معلم کو تو علم ہی نہیں کہ وہ خدا کا پیار کس طرح حاصل کر سکتا ہے اور کتنا حاصل کر سکتا ہے۔

پس شاہدین کو یہ علم ہوتے ہوئے اور دوسروں کو دیکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کتنا پیار کرنے والا ہے اور یہ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کر سکتے ہیں پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے پیار سے محروم رہیں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ بدقسمتی اَور کوئی نہیں ہو سکتی۔

بہرحال جامعہ احمدیہ پر بھی بڑے پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ میٹرک پاس طلباء لیتے ہیں اور پھر ان کو آگے پڑھاتے ہیں۔ پھر جس طرح ہر زندہ اور ہرے بھرے درخت کی ٹہنیاں سوکھ جاتی ہیں۔ اسی طرح شاہدین میں سے بھی کچھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ ہر سال کچھ چھانٹی کرنی

پڑتی ہے۔ نتیجہ بہت تھوڑا نکلتا ہے۔ خرچ بڑا ہوتا ہے۔

ہمارے وسائل محدود تھے اور جو مبلغین ہم تیار کر رہے تھے، ان پر فی کس خرچ بہت زیادہ تھا لیکن یہ کام اپنی ضرورت کے لحاظ سے بڑا اہم ہے۔ اس لئے اسے جاری رکھنا ضروری تھا۔

پس ایک طرف یہ چیز تھی اور دوسری طرف وسعت پیدا کرنی تھی۔ اب میں سوچتا ہوں کہ جس طرح میرے دماغ میں آیا ہے، حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دماغ میں بھی یہی بات آئی تھی کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے کام میں وسعت پیدا کریں اور وسعت پیدا کریں۔ ان لوگوں کے ذریعہ جو تھوڑا گزارہ لیں اور وقف کی روح کے ساتھ آئیں چنانچہ آپ نے ایک خطبہ میں ہزاروں کی سکیم بنا دی۔ آپ نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اب وہ بیس سال کے بعد پوری ہوتی ہے یا پچاس سال کے بعد پوری ہوتی ہے۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن آپ نے اپنی ایک خواہش کا اظہار کر دیا۔ ۷۲ لاکھ روپے آمد ہو سکتی ہے اور اس کے مطابق ساٹھ روپے ماہوار پر کئی ہزار آدمی رکھے جا سکتے ہیں۔ ویسے اب تو حالات بدل گئے ہیں۔ میرے خیال میں اب ساٹھ روپے کی بجائے نوّے روپے دیئے جا رہے ہیں۔ بایں ہمہ آدمی کم آ رہے ہیں۔

انسان سوچتا ہے تو اور فکر و تدبّر کرنے والا انسان بالعموم ایک منصوبہ بناتا ہے کہ اگر وہ اس طرح کام کرے تو اپنے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مگر وقفِ جدید کے کام کے لحاظ سے جماعت کو اس طرف توجہ نہیں۔ کچھ تو توجہ ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بالکل توجہ نہیں ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جتنی اس حصے کی طرف توجہ کرنی چاہئے تھی اس کا دسواں حصہ توجہ ہے، نوّے فی صد توجہ نہیں ہے۔

معلمین اصلاح و ارشاد جماعتی تنظیم کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ ان سے زیادہ پڑھے لکھے شاہدین بھی کام کر رہے ہیں مگر پچاس، ساٹھ شاہدین کے علاوہ صرف ساٹھ، ستّر نیم پڑھے معلمین وقف جدید رکھنے سے کیا فائدہ ہے کیونکہ جو اصل غرض تھی وہ تو ان کے ذریعہ پوری نہیں ہوئی۔ اصل تخیل تو یہ تھا کہ کام میں یک دم وسعت پیدا کرو۔ آپ جو معلم لیتے ہیں وہ آٹھویں جماعت تک پڑھے ہوتے ہیں۔ انہیں ایک سال کا یہاں کورس کراتے ہیں۔ ان کی

حالت تو پتلی سی شاخ کے مانند ہے جس طرح آم کی ٹہنی جب نکلتی ہے تو بڑی کمزور ہوتی ہے۔ تاہم یہ بیج لگانا ہمارا مقصد ہے تنا تو بعد میں بنے گا، پھل تو بعد میں آئیں گے لیکن آپ نے تو وہ بیج بھی نہیں لگایا۔ ستّر، اسّی کے اُوپر آ کر ٹھہر گئے۔ ستر، اسّی معلمین وقف جدید کی تعداد میں وسیع منصوبے کے لحاظ سے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔ ایک ضلع کے لئے بھی کافی نہیں ہے، ایک تحصیل کے لئے شاید کافی ہو۔ وہ بھی شاید ہی ایسا ہوتا ہم سمجھتے ہیں کہ ایک تحصیل کے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو موجودہ کوشش اور جدوجہد اور منصوبہ ہے اس میں اگر ہم مغربی پاکستان ہی کو لے لیں کیونکہ اس وقت مشرقی پاکستان میں ہم نہیں جاسکتے۔ (ہم نے مسلم بنگال کو نہ ذہنی لحاظ سے چھوڑا ہے اور نہ عملی لحاظ سے) لیکن موجودہ حالات ایسے رونما ہوئے ہیں کہ ہم وہاں جانہیں سکتے اس لئے اگر ہم وقتی طور پر مغربی پاکستان ہی کو لے لیں تب بھی اس سے ۱۵۲ گنا زیادہ ہماری کوشش ہونی چاہئے تھی کیونکہ پاکستان کے اس مغربی حصے کی کم وبیش ۱۵۲ تحصیلیں ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے کام کا ایک فی صد بھی نہیں کیا بلکہ ہم نے اپنا کام ۶ فی صد کیا ہے یہ تو کوئی کام نہ ہوا۔

جماعت کو اس وقت میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس اعلان کے بعد کہ یکم جنوری سے وقف جدید کا نیا سال شروع ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے اور ہمارے عمل میں برکت ڈالے۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے اس اعلان کے بعد میں جماعت کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ وقف جدید کے لئے جماعت زیادہ آدمی دے اور اسے جماعت محض وعظ تصوّر نہ کرے بلکہ وہ ایک سکیم بنائے کہ ہر سال موجودہ معلمین کا دس یا بیس فیصد دے گی مثلاً اگر فرض کرو اس وقت اسّی معلمینِ وقف جدید ہوں تو جماعت ہر سال آٹھ مزید دے گی۔ یہ میں نہیں کہہ رہا کہ جماعت دس فی صد دے یہ تو جو منصوبہ بندی کمیٹی ہے وہ سوچے گی لیکن میں مثال دے رہا ہوں۔ شاید اس سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے چلیں بیس فی صد کر دیتے ہیں چنانچہ اس لحاظ سے موجودہ اسّی معلمین کی تعداد پر بیس فیصد کے حساب سے سولہ مزید دینے پڑیں گے پھر اگلے سال ۹۶ کا بیس فیصد ہوگا اور پھر اس سے اگلے سال ۱۱۰ کا بیس

فیصد ہوگا اور پھر اسی طرح تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ تب آپ کام کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ کھڑے رہیں تو پھر کام نہیں کر سکتے۔ اس نسبت سے آپ آگے بڑھیں تب بھی کم ہے لیکن اگر آپ بیس کی بجائے تیس یا چالیس فی صد کر دیں تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر آپ دُگنا کرتے جائیں تو پھر یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ اس طرح تو پھر ہم دس سال میں اپنا مقصد حاصل کر لیں گے یعنی ۸۰ سے ۱۶۰ اور اس سے اگلے سال ۳۲۰ اور پھر اس سے اگلے سال ۶۴۰ اور پھر اس سے اگلے سال ۱۲۸۰ علیٰ ہذا القیاس اس طرح ہم بڑی جلدی آگے نکل جائیں گے۔ یہ تو (یعنی وہ پہلی بات) ہے جو میں جماعت سے کہنا چاہتا ہوں۔

(ب) یہ ہے کہ آپ جو آدمی دیں اُن میں کچھ تو صلاحیت ہونی چاہئے۔ اس وقت معلمین کا ایک حصہ ایسا ہے (سب کے متعلق تو میں یہ نہیں کہتا لیکن ایک حصہ ضرور ایسا ہے) جو یہ سمجھتا ہے کہ ہماری کہیں اور جگہ کھپت نہیں ہوسکتی، اس واسطے یہاں آ جاؤ۔ اگر اس طرح کے آدمی آئیں تو ہمارا کام کیسے ہوگا۔ ہم نے اُن سے کام تو یہ لینا ہے کہ جب کسی کو کہیں سے بھی کامیابی نصیب نہ ہو تو وہ ان سے حاصل کرے لیکن وہ آدمی جو اس ذہنیت سے آیا ہے کہ اس کی کہیں کھپت نہیں ہوسکتی اس لئے وہ یہاں آ جائے اُس نے کام کیا کرنا ہے۔ وہ آدمی جو ساری دُنیا کی ناکامیاں دیکھ کر آتا ہے وہ دُنیا کی ہدایت کا سامان کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ یہ ایک سرے پر ہے اور جس کی اس نے ہدایت کرنی ہے وہ دوسرے سرے پر ہے یا مجھے یوں کہنا چاہئے کہ یہ بائیں سرے پر ہے اور دوسرے آدمی کی ضرورت دائیں سرے پر ہے یعنی دو چیزوں میں جو زیادہ سے زیادہ بُعد ہوسکتا ہے وہ ان میں پایا جاتا ہے۔

پس جماعت سے میں یہ کہتا ہوں کہ جو آدمی وقفِ جدید کے لئے دیں وہ قابل اور اہل ہونا چاہئے اور پھر جب آدمی دیں تو اُن کو خرچ بھی دیں۔ جتنے زیادہ آدمی دیں گے اُن پر اتنا زیادہ خرچ بھی آئے گا۔ اس کے مطابق آپ کو چندہ دینا چاہئے۔

اب پچھلے سال وقف جدید کا دو لاکھ چالیس ہزار روپے کا بجٹ تھا اور دسمبر کے آخر تک ایک لاکھ بہتّر ہزار روپے آمد ہوئی ہے اور اب نیا سال شروع ہو گیا ہے گذشتہ جو کام آپ نے اپنے لئے تجویز کئے تھے آپ اُن کو پورا نہیں کر سکتے۔ وقف جدید کے متعلق منصوبہ بنانے

والے دماغ میں جو کام تھا وہ تو یہ نہیں تھا۔ وہ تو اس سے کہیں زیادہ کام تھا۔

پس وہ پیارا وجود جس کے ساتھ آپ کو پیار اور عشق کا دعویٰ ہے اُس نے آپ کو جو کام دیا تھا، اُس سے کہیں تھوڑے کام کا آپ نے منصوبہ بنایا اور وہ بھی پورا نہیں کیا۔ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے۔ اس لئے جماعت کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔

دوسری طرف میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو ہمارا وقف جدید کا دفتر ہے اس کو اپنا حساب درست کرنا چاہئے۔ گذشتہ دو چار دن میں ہی میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ جو رقمیں وصول ہو چکی ہیں اُن کا بھی ٹھیک طرح حساب نہیں رکھا گیا۔ (پیسوں کا ضیاع تو نہیں ہوا) لیکن اگر ایک شخص تین مہینے کے بعد اپنا چندہ دے دیتا ہے اور اپنا وعدہ پورا کر دیتا ہے اور آپ چھ مہینے کے بعد اُسے کہیں کہ تم نے کوئی چندہ نہیں دیا تو آپ نے اس کا وقت ضائع کیا۔ آپ کو یہ کس نے حق دیا ہے؟ پس میں دفتر سے کہتا ہوں کہ آپ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والوں کا وقت ضائع نہ کریں یہ سننے کے بعد اور اس بات کو تقریروں میں دُہرانے کے بعد کہ آپ کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔

اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۳۱۸)

کہ تیرا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ آپ خود اس مسیحؑ کی طرف منسوب ہونے والوں کا وقت ضائع کر رہے ہیں اور اُن کو پریشانی میں ڈال رہے ہیں اس لئے اپنے گھر کو درست کریں اور اس کی صفائی کریں اور اہلیت کو بڑھائیں۔ مرکزی دفتر کو کسی ایک آدمی کے لئے بھی پریشانی کا موجب نہیں ہونا چاہئے۔

وقف جدید والوں نے رسالے اور کچھ کتب اور پمفلٹ وغیرہ شائع کرنے کی بھی ایک سکیم بنائی ہوئی ہے اور غالباً وہ اس سلسلہ میں کچھ کام بھی کرتے ہیں لیکن وہ تسلی بخش نہیں ہے۔ دراصل کسی کا کام بھی تسلی بخش نہیں ہے۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ پریشانی اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہم کتب وغیرہ شائع تو کر دیتے ہیں مگر ان کی تقسیم کا کوئی معقول اور مناسب اور حسبِ ضرورت انتظام نہیں ہے۔

تاہم اس کام کے لئے تو میں شاید ایک کمیٹی بناؤں۔ ہماری اس وقت جو مختلف انجمنیں

ہیں، وہ کمیٹی ان کے متعلق غور کرے گی لیکن اس کی طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور فوری سے میری مراد یہ ہے کہ ایک مہینے کے اندر اندر ہماری آبادی کے ایک فیصد کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہو جائے۔ شاید آپ حیران ہوں کہ اتنی معمولی سی سکیم کیوں بنا دی۔

دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ چھ لاکھ ایسے بھائیوں کے ساتھ ہمارا تعلق پیدا ہو جائے کہ جب اور جو چیز ہم ان تک پہنچانا چاہیں وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر ان تک پہنچ جائے۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ہم اس وقت چھ لاکھ تو کجا چھ ہزار تک بھی اپنی بات ایک ہفتہ کے اندر اندر نہیں پہنچا سکتے اور یہ بڑی خامی ہے۔ اس طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی۔

ہمارے جو مبلغ ہیں اُن کا یہ حال ہے کہ دیر کی بات ہے خلافت سے پہلے میں ایک دفعہ مری گیا۔ حضرت صاحب کے نام خیبر لاج الاٹ ہُوئی ہوئی ہے۔ اس کا جھگڑا چل رہا ہے۔ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوا۔ جو فیصلہ ہوگا ٹھیک ہوگا۔ وہ ہمیں ملے یا نہ ملے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بہرحال وہ اس وقت بھی ہمارے پاس تھی اور وہاں ہمارے مربی صاحب رہ رہے تھے کیونکہ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ ہم یعنی حضرت صاحب کے بچوں میں سے بہت سارے وہاں جانا چاہتے تھے یا شاید حضرت صاحب خود تشریف لے جانے والے تھے۔ یہ تفصیل مجھے یاد نہیں رہی چنانچہ اس کو خالی کروانے کے لئے جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک کمرہ قریباً چھت تک بھرا ہوا تھا اُن کتب اور رسائل سے جو پہلے چار پانچ سال سے اصلاح و ارشاد والے اس مبلغ کو تقسیم کرنے کے لئے بھجواتے رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش گم ہو گئے کہ اتنا ظلم! ہماری ایک غریب جماعت ہے۔ پھر اس پر ظلم یہ کہ ہم سے سُستیاں، غفلتیں اور گناہ ہو جاتے ہیں۔ جتنا ہم شائع کرنا چاہتے تھے وہ بھی نہیں شائع ہوا اور جو شائع ہوا ہے اس کا یہ حشر کہ کئی سالوں کا اکٹھا کیا ہوا لٹریچر جس کو اٹھانا مشکل ہو گیا پس ہمیں اس طرف فوری توجہ کرنی چاہئے۔

اب مثلاً ہم ایک رسالہ شائع کرنا چاہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت اور عشق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ چنانچہ قاضی محمد نذیر صاحب یا عبدالمالک خان صاحب میرے پاس بڑے فخر سے یہ رپورٹ کر دیں گے کہ انہوں نے پانچ ہزار کی تعداد

میں شائع کر دیا ہے اوّل تو یہ ہے کہ ۱۲ کروڑ آبادی کے ملک میں پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کر دینا تو ویسے ہی بڑے شرم کی بات ہے اور دوم اس سے بھی بڑے شرم کی بات یہ ہے کہ پانچ ہزار جو شائع کیا اس میں سے پانچ صد تقسیم ہوا اور باقی چار ہزار پانچ صد اصلاح و ارشاد کے گودام میں یا مبلغین کے چولہوں کے پاس پڑا ہوا ہے۔ ہمارا اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔ یہ تو کوئی کام نہیں کہ ۱۲ کروڑ کی آبادی کے ملک میں پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہونے والی کتاب صرف پانچ صد کی تعداد میں تقسیم ہو۔ کیا ہم اپنی عزت کے لئے زندہ ہیں؟ کیا ہم اس لئے زندہ ہیں کہ ساری دُنیا کی دولتیں ہمارے قدموں میں آ کر جمع ہو جائیں۔ اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں کیونکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری پائی پائی دُنیا کے قدموں میں جا کر پڑ جائے اور لوگوں کے فائدے کا موجب بنے تو پھر دُنیا کی بھلائی کے لئے تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ تم کرو ورنہ تم اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤ گے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کے نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۶؍فروری ۱۹۷۲ء صفحہ ۲ تا ۴)